ایں عجب نبود کہ کور افتد بچاہ
بوالعجب افتادن بینائے راہ

تحفۃ الشیوخ

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا و مقتدانا شاہ

محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی نقشبندی قادری سہروردی قدس سرہٗ

مع ضمیمہ مرتبہ

مولانا عمار احمد صاحب مدظلہ صدر مدرس بیت المعارف الہ آباد

مجاز صحبت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

کتب خانہ مظہری

ناظم آباد - کراچی ۰ فون ۶۱۴۴۹۱

تقریظ بر ضمیمہ تحفۃ الشیوخ

حضرت اقدس مولانا و مقتدانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

حضرت والا تھانوی قدس سرہ کے رسالہ "تحفۃ الشیوخ" کی طبع جدید کے ساتھ جو ضمیمہ منسلک ہے اس کو مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ اسمیں نہایت کارآمد، اہم اور ضروری مضامین اکابر امت سے جمع کیے گئے ہیں، ان کا مطالعہ خواص و عوام سبھی کے لئے بہت نافع اور مفید ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ اکابر کے ارشادات کو سمجھنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ناکارہ خادم

ابرار الحق

۱۱ رجب ۹۸ھ

سہ شنبہ

عرضِ مرتب

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد ۔ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ، جن کو ہم اس صدی کا مجدد مانتے ہیں، اور آپکی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ دین کے جس شعبے میں جہاں کوئی خرابی نظر آئی آپ نے اس پر ضرور تنبیہہ فرمائی اور تقریراً و تحریراً اس کی جانب متوجہ فرمایا جیسا کہ حضرت قدس سرہ کی تصانیف و مواعظ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً رسوم و بدعات کی تو ایسی بیخ کنی فرمادی ہے کہ اب صدیوں کسی کو قلم اٹھانے کی ضرورت باقی نہیں۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تعلیمات کو امت کے سامنے پیش کیا جاتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان علوم کو تا قیامت زندہ رکھے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہر دور میں اہل حق کی

ایک جماعت کو باقی رکھے جو ان تعلیمات کو امت کے سامنے پیش کرتی رہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ان ہی تجدیدی کارناموں میں سے ایک گرانقدر کارنامہ پیش نظر رسالہ بھی ہے جسکو سنہ ۱۳۲۷ھ میں خانقاہ تھانہ بھون میں اشرف المطابع سے حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ نے **تحفۃ الشیوخ** کے نام سے شائع کیا تھا۔

چونکہ یہ رسالہ عرصہ سے نایاب تھا اور اپنے مضامین کے لحاظ سے نہایت اہم اور بہت ہی مفید ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ اس کی اشاعت کردی جائے تاکہ جن کوتاہیوں پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے تنبیہ فرمائی ہے کم از کم ان کا علم تو ہوجائے۔ پھر عمل کی بھی توفیق ہوجائیگی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تعلیمات کو سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ:۔ بعض عبارات کے ترجمے اور ضمیمہ تحفۃ الشیوخ کے علاوہ پورا مضمون بعینہ وہی ہے جو اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا بعض سرخیاں بعد میں قائم کی گئی ہیں۔

والسلام

عماد احمد عفی عنہ

تمہید رسالہ تحفۃ الشیوخ

تھانہ بھون کے قیام میں ایک صاحب پنجاب کے بھی تشریف فرما تھے وہ اپنے ملک کے شیوخ پر یہاں کی حالت دیکھ کر بہت نالاں تھے۔ منجملہ ان کی بہت سی باتوں کے ایک یہ بھی شکایت تھی کہ وہاں کے مشائخ اور اکابر کی بالعموم یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص ان کی دعوت کرتا ہے تو کثرت سے لوگوں کو اپنے ساتھ بلا مدعو کئے لے جاتے ہیں۔ اور میں نے بھی یہ مرض بعض جگہ دیکھا ہے اور غالباً وہ اس کو مرض نہیں سمجھتے۔ اس لئے میں نے جناب سید مولانا مولوی احمد حسن صاحب سے بطور استفسار کے عرض کیا تو جناب ممدوح نے اپنی عنایت سے کچھ کلمات نبویہ جو اس کی حرمت میں ثابت ہیں نہایت تحقیق اور پکی اسناد کے ساتھ

تحریر فرما کر بندے کو طبع کرانے کی اجازت دی۔ میں امید کرتا ہوں
کہ دیکھنے والے حضرات سائل اور مجیب دونوں کے حق میں
دعا فرمادیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق
عمل کر کے اپنی دینا و آخرت کی سعادت مندی حاصل کرینگے
اور ان ہی پنجابی صاحب نے کچھ اور خرابیوں کے متعلق
پوچھا تھا۔ جس پر یہاں خانقاہ امدادیہ سے بصورت ایک چھوٹے
رسالے کے جواب لکھا گیا تھا جس کا نام تحفۃ الشیوخ رکھ دیا
گیا تھا، چونکہ وہ مضمون بھی نافع تھا، بندہ نے اس کو بھی
اس کے ساتھ منضم کر دینا مناسب سمجھا، اور اس مجموعے کا
نام تحفۃ الشیوخ رکھ دیا۔ اول مولانا احمد حسن صاحب کا جواب
اور اسکے بعد رسالہ سجادہ نشینی لکھا جاتا ہے۔

کتبہ خادم عباد الرحمٰن الحمید محمد عبد المجید بچھرایونی عفا اللہ عنہ۔

استفسار

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں ؟
(اوّل) کوئی عالم یا درویش کسی شخص کے یہاں دعوت طعام میں اپنے طلباء یا مریدوں کو یا کوئی راستے میں ان صاحبان مذکور کو مل جاوے تو اس کو بلا اجازت صاحب خانہ کے وہاں لے جاویں تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ اور ان لوگوں کو کھانا کھانا اور صاحب خانہ کے یہاں کھانے کے وقت جانا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جبکہ بعض اوقات اس کی وجہ سے ایسی صورتیں بھی ان لوگوں کو پیش آچکی ہوں، کہ بلانے والے سخت پریشان اور شرمندہ ہو کر اپنے گھروں میں چھپ گئے ہوں۔ ندامت کی وجہ سے اور اگر یہ کہا جاوے کہ

صاحبان مذکور کے برکات و تصرفات ایسے عام ہیں کہ کھانے میں
اس قدر برکت ہو گی تو صورت بالا کیوں پیش آئیں۔ یا یہ
کہا جاوے کہ صاحبان مذکور کی محبت لوگوں کے قلوب میں
اس قدر ہے کہ ان کے خلاف پر قدرت نہیں تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس امر کا سب سے زیادہ
خیال کرنا چاہئے تھا اور آپ صاحبان مذکور سے زیادہ احق
تھے کہ لوگوں کی بلا اجازت ان کے گھروں پر مساکین ورامراء
کو کھانا کھلانے لے جایا کرتے حالانکہ آپ سے استفسار
اور صحابہ سے انکار ثابت ہے۔

جیساکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں مذکور ہے
خاص کر ایسے موقع پر جب کہ کھلانے والے صاحبان مذکور
سے ان وجوہات سے ایسے بددل ہوں کہ وہ گاہے بگاہے
قزاق ایمن و تحصیلدار یا بے پرواوغیرہ کے الفاظ سے یاد کریں
(دوم) یہ کہ جن مواضع یا قصبات میں اکثر زراعت پیشہ لوگ
موروثی زمینوں میں کاشت کرتے ہیں تو ایسی جگہ ہدایا پیش
کرنے کے وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں
خصوصًا ایسے لوگوں کو جو بزرگ، واعظ اور پیشوا کہلائے جاتے ہوں

اور لوگوں کو ان کے افعال اور اقوال کا غالب سنت ہونا معلوم ہو، خاصکر توکل کا پہلو غالب ہو تو ایسی صورت میں ایسے ہدایا کا قبول کرنا اور نہ دریافت کرنا کیسا ہے؟

(سوم) یہ کہ کیا مسائل بالا کے ارتکاب پر کسی کو متنبہ کر دیا جائے تو اس میں کچھ حرج ہے؟ اور صاحبان مذکور کو یاد دلانے والے کا احسان ماننا چاہیئے۔ اور ان وجوہ پر اپنی غلطی سمجھ کر تسلیم کرنا چاہیئے یا اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اور یہ خیال کر کے کہ ہم بڑے لوگوں کے صحبت یافتہ اور مرجع خلائق ہیں کسی نے ہماری غلطی نہیں پکڑی۔ تو کیا یہ دعویٰ صحیح سمجھ کر اس کو معذور سمجھا جاوے گا یا نہیں؟

فقط والسلام

الاجوبہ

(اوّل) عن ابن عباسؓ مرفوعًا فی حدیث طویل ولا یحل لامرءٍ من مال اخیہ الا ما اعطاہ عن طیب نفس ؛ رواہ الحاکم او فی کنز العمال۔ ج ۱ ۔ ص ؟) واسنادہ

صحیح علی قاعدۃ کنز العمال۔

۲۔ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ مرفوعا لا یحل لامرء ان یاخذ عصی اخیہ بغیر طیب نفس منہ وذلک لشدۃ ما حرم اللہ مال المسلم علی المسلم۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والبیہقی کذا فی التلخیص

(ص ۲۵۰ ج ۲)

۳۔ عن ابن عبد اللہ بن السائب عن یزید عن ابیہ عن جدہ مرفوعا لا یاخذ احدکم متاع اخیہ لاعبا ولا جادا۔ الحدیث۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والبیہقی واسنادہ حسن کذا فی التلخیص الحبیر (ص ۲۵۰ ج ۲)

۴۔ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ ورسولہ ومن دخل علی غیر دعوۃ دخل سارقا وخرج مغیرا۔ رواہ ابوداود عن درست بن زیاد والجمہور علی تضعیفہ ورواہ ابوزرعہ عن ابان بن طارق وھو مجہول قالہ ابوزرعۃ وغیرہ کذا فی الترغیب ص ۳۶۸

قلت ضعفہ غیر مضر فی ھذا الموضع فانہ نقل الاعتضاد

والمقصود قد ثبت بالاحادیث التی ذکرت قبل۔

(ترجمہ حدیث ۱۲) کسی شخص کو اپنے بھائی (مسلمان) کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں مگر جس قدر کہ اس نے اس (شخص) کو بطیب خاطر دیدیا۔ (صرف وہ مال حلال ہے) اس کو حاکم نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کا مال بغیر اس کی طیب خاطر اور خوشیٔ دل کے حلال نہیں ہو سکتا پس دعوت میں بغیر بلائے خود جانا اور وہاں جاکر کھانا یا کسی اور کو اپنے ہمراہ لے جانا چونکہ داعی کی طیب خاطر سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے اس لئے حرام ہوگا خصوصا جبکہ اس ناخوشی کا اظہار ہو بھی چکا ہو۔ اور اگر بعض اوقات کوئی شخص دنیا کی شرم سے باوجود گرانی قلب کے کھانے کی اجازت دیدے تو یہ اجازت حلت طعام کے لئے کافی نہ ہوگی کیونکہ یہ جبر ہے اور طیب خاطر نہیں ہے اور جبتک طیب خاطر متحقق نہ ہوجائے اسوقت تک اس کھانے کی حلت ثابت نہ ہوگی اور حضرات مقتدایان قوم کی شان سے تو اس شنیع کا ارتکاب شرعاً و عقلاً و عرفاً نہایت قبیح ہے اور موجب فتنہ ہے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

۵ بہ نیم بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکر یانش ہزار مرغ بہ سیخ

ترجمہ :- بادشاہ اگر نصف انڈا ظلماً لینے کو روا رکھیگا تو پھر لشکری لوگ ہزاروں مرغ سیخ پر لگا کر کھا ڈالیں گے۔

اور فعل انکا ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ان حضرات کو تو اعلیٰ درجہ کا اتباع سنت و شریعت مناسب ہے۔ اور آدمی جس گروہ کی طرف منسوب ہو، مثلاً حضرات صوفیار کی طرف اور سیرت میں ان کی مخالفت کرے تو وہ مخادع ہے۔

(ترجمہ حدیث ۲) کسی شخص کو حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کا عصا لیوے بغیر اس کی طیب خاطر کے۔ اور یہ بسبب شدت حرام کردینے اللہ تعالیٰ کے ہے ایک مسلمان کے مال کو دوسرے مسلمان پر۔ اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ تلخیص حبیر میں ہے

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر نہایت ہی سختی سے حرام کیا ہے حتیٰ کہ یہ بھی اجازت نہیں دی کہ ایک کا عصا دوسرا بغیر اسکے طیب خاطر

کے لے لیوے، حالانکہ عصا کا لے لینا اکثر عارضی طور پر ہوتا ہے اور پھر واپس کر دیا جاتا ہے۔ نیز اکثر عصا زیادہ قیمتی بھی نہیں ہوتے۔ مگر پھر بھی اس کے باب میں اس قدر شدت سے کام لیا گیا پس تمہارا کیا گمان ہے ان اموال کے باب میں جن کا کہ دوامی طور پر لینا مقصود ہو اور زیادہ قیمت کے بھی ہوں، وہ تو نہایت شدید حرمت رکھتے ہیں۔

(ترجمہ حدیث ۳۲) تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان) کا متاع نہ بطریق لعب کے لیوے اور نہ بطریق جد کے۔ اس کو ابوداود اور ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے حسن بھی کہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز اٹھا لینی، خواہ بطریق کھیل کود اور بہ طریق ہنسی کے ہو کہ اس صورت میں واپس کر دینے کی نیت ہوتی ہے اور اس کا رکھ لینا مقصود نہیں ہوتا۔ یا بطریق لہو و لعب نہ ہو بلکہ واقعی طور پر اور حقیقتاً لینا مقصود ہو، ہر طرح ناجائز ہے۔

اس حدیث میں کس سختی سے دوسرے کے مال میں دست اندازی سے منع کیا گیا ہے کہ بطریق لہو و لعب اور

ہنسی سے بھی کسی کا مال اٹھالینا ناجائز قرار دیا گیا ہے)
(ترجمہ حدیث نمبر۴) جو شخص کھانے کے لئے بلایا گیا (یعنی اس کی دعوت کی گئی) اور اس نے دعوت قبول نہ کی، تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اور جو شخص بغیر دعوت پہونچ گیا تو چور ہو کر داخل ہوا اور لٹیرا ہو کر نکلا۔ (اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے)۔

۵ عن ابن مسعود الانصاری قال کان رجل من الانصار یقال له ابو شعیب و کان له غلام لحام فرأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعرف فی وجهہ الجوع فقال لغلامہ ویحك اصنع لنا طعاما لخمسۃ نفر فانی ارید ان ادعو النبی صلی اللہ علیہ وسلم خامس خمسۃ قال فصنع ثم اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدعاہ خامس خمسۃ واتبعہ رجل فلما بلغ الباب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا اتبعنا فان شئت ان تاذن له وان شئت رجع قال لا بل اذن له یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رواہ مسلم (ج ۲ ص ۱۷۶)

یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اس میں ایک شخص کا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دعوت کھانے کے لئے
جانا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب خانہ سے
یہ فرمانا مذکور ہے کہ یہ شخص ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر
تم اجازت دو تو ٹھہر جاوے (اور کھانا کھالیوے)
اور اگر تم اس کو لوٹانا چاہو تو لوٹ جاوے۔ اس کے بعد
ان صاحب خانہ کا اجازت دیدینا مذکور ہے۔

غور کرنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ حضرات صحابہ کو کس قدر تعلق تھا اور وہ حضرات
کیسے جاں نثار تھے مگر پھر بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ خیال نہ کیا (کہ ایک شخص کا کھلانا میرے ساتھ کیا
ناگوار ہوگا، پس دریافت کرنے کی کیا حاجت ہے)
بلکہ تصریح کے ساتھ اصل واقعہ ظاہر کردیا۔ اور اجازت
دینے کی رغبت نہیں دلائی بلکہ صاف طور پر اختیار
دیدیا کہ خواہ ان کو کھانا کھانے کی اجازت دیدو یا نہ دو۔
خوب سمجھ لو۔

۶۔ عن انس رضی ان جارٍ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فارسیا کان طیب المرق لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ثم جاء یدعوہ فقال وهذہ لعائشۃ فقال لا فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا فعاد یدعوہ فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهذہ قال لا قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ثم عاد یدعوہ
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهذہ قال نعم
فی الثالثۃ فقامایتدافعان منزلہ

(رواہ مسلم ص ۱۷۶ ج ۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پڑوسی فارسی اچھا شوربا پکاتے تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (ایک روز شوربہ) تیار کیا پھر آپ کو کھلانے کے لئے بلانے آئے تو آپ نے فرمایا اور یہ ہے اور اشارہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف (یعنی کیا ان کی بھی دعوت ہے) تو انہوں نے عرض کیا نہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بھی دعوت نہیں (قبول کرتے) پس وہ (چلے گئے پھر) آپ کی دعوت کرنے کے لئے لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اور یہ ؟ (عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مدعو ہیں یعنی کیا ان کی بھی دعوت ہے ؟) انہوں نے عرض کیا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہم بھی دعوت) نہیں (قبول کرتے) وہ صحابی (چلے گئے) پھر آپ کی دعوت کرنے کے لئے واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا اور یہ ؟ (عائشہ بھی مدعو ہیں ؟) انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ پس[۵] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔

صاحبو! تامل کرو باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی محبوبہ زوجہ کی دعوت کے بارے میں دریافت کرنے کے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے چند بار انکار فرمایا۔ پھر آج کس کا حوصلہ ہے کہ علی الاطلاق اپنے متعلقین کو دعوت کرنے والے کے گھر لے جا کر اس کے گھر کی صفائی کر دے اور یہ دعویٰ کرے کہ دعوت کرنے والا اس پر راضی ہے،

---

[۵] صحابی کا انکار غالباً کھانا کم ہونے کی وجہ سے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بغیر اپنے اہل کے کھانا نہ کھانا (جبکہ اہل کو حاجت ہو) بے مروتی ہونے کی وجہ سے تھا۔ منہ ۱۲

پوچھنے کی کیا حاجت ہے۔

صاحبو! ایسا موقع بہت کم ہوتا ہے جو داعی اس زیادتی کو خوشی سے گوارا کرے اس لئے لازم ہے کہ ہر جگہ صریح اجازت لے لی جاوے اور صاف صاف کہہ دیا جاوے کہ اگر تم انکار کروگے تو ہم ہرگز برا نہ مانیں گے اور اسی طرح اجازت سے بھی وہاں لے جاوے جہاں یہ یقین ہو کہ داعی اس پر دل سے عمل کریگا اور تصنع کرکے اور فقط کہہ دینے سے دب کر بلا طیب خاطر اجازت نہ دے گا۔

اور مناسب تو اس زمانے میں یہی ہے کہ کسی کو بغیر بلائے ہمراہ نہ لے جاوے۔ اور عجب نہیں کہ جو حضرات اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں اس کے اندر مادہ خفیہ حب جاہ کا ہو اور اس زیادتی جلسہ سے اشتہار مقصود ہوتا ہو، شان و شوکت کے ساتھ جانا مطلوب ہوتا ہو۔ ایک دو آدمی کے ساتھ یا تنہا جانا خلاف شان معلوم ہوتا ہو۔

تو اگر یہ بات ہے تو یہ خود ایک (مستقل) باطنی مرض ہے۔ دوسروں کی اصلاح اور دعوت کھانے اور کھلوانے سے پہلے اپنے اس مرض قبیح مہلک کی اصلاح کرنا لازم ہے۔

واللہ الہادی

دوم :۔ حق مورو ثی شرعًا ظلم ہے اس لئے جہاں اس کا چرچا ہو وہاں اس کی تحقیق کرلینا واجب ہے ۔ جب تحقیق سے ثابت ہو جاوے کہ دعوت یا ہدیہ کا مال طیب اور حلال ہے اس وقت دعوت اور ہدیہ کا قبول کر لینا جائز ہو گا ۔

سوم :۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شعائر دین سے ہے اس کا فاعل اجر عظیم کا مستحق ہے ۔ ہاں اگر کچھ اثر ہونے کی امید نہ ہو اور فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو سکوت انسب ہے اور کسی عالم یا درویش کی صحبت میں رہنا عصمت نہیں پیدا کر دیتا بلکہ صحبت یافتہ حضرات تو بوجہ استعداد تام کے اوروں سے زیادہ اپنے کو قابل اصلاح اور محتاج نصیحت اور اپنے کو سب سے بدتر سمجھتے ہیں ۔

ما نصیحت بجائے خود کردیم — روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس — بر رسولاں بلاغ باشد وبس

کتبہ العبد الضعیف السید احمد حسن
السنبھلی ثم التھانوی

۱۹ ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۳۷ھ

رسالہ سجادہ نشینی

تمہید

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ احقر الوریٰ اشرف علی تھانوی عفی عنہ مظہر مدعا ہے کہ شاذ و نادر ایسے لوگ ہوتے جو سجادہ نشینی کے عنوان و معنون سے بوجہ غایت درجہ کی شہرت و شیوع کے آگاہ نہ ہوں مگر وہ آگاہی علم بوجہہ کے درجہ سے زائد نہیں اور اسی وجہ سے اسکے آثار و لوازم کی طرف باوجودیکہ اکثر ان میں سے مشاہد ہیں التفات نہیں کیا جاتا اور مفاسد سے بچانے کیلئے اس طرف ملتفت کرنا ضروری تھا اسوجہ سے بعض خیر خواہان دین کے اشارہ سے بقدر ضرورت ان پر متنبہ کرتا ہوں۔ گو ضمیمہ اصلاح الرسوم کی فصل دوم میں کسی قدر اس سے تعرض کیا گیا ہے مگر اس میں اس کی سب صورتوں کا استیعاب نہیں ہے اس لئے اس پر اضافہ کی حاجت معلوم ہوئی۔ سو وہ صورتیں اب معروض ہوتی ہیں۔

سجادہ نشینی اور جانشینی کی تین صورتیں

صورتِ اوّل وہی ہے جس کا ذکر اصلاح الرسوم میں ہے
اس کی تحقیق کے لئے اسی کی عبارت نقل کئے دیتا ہوں، وہو ہذا
فصل دوم :- ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ کی وفات
ہوئی اس کے مریدوں نے جمع ہو کر اس کے کسی بیٹے کو یا خادم کو
سجادہ نشین کر دیا اور سند کے لئے دستار بندی کر دی خواہ اس میں
اہلیت ہو یا نہ ہو ۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ اکثر خود
اس راہ سے ناآشنا ہیں ان کی اجازت کہاں تک قابل
اعتبار ہو سکتی ہے ۔ ؟

یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے رسمی سجادہ نشین سے جو لوگ
بیعت ہوں گے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کے
برابر ان ارباب جلسہ کو بھی مل جاوے گا کہ یہ لوگ بانی ضلالت ہوئے

حدیث شریف میں علامات قیامت سے آیا ہے، کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس لیے سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب تک کوئی شیخ کامل جامع شریعت وطریقت جس کو اس زمانے کے اچھے لوگوں نے اہل مان لیا ہو اجازت نہ دے بیعت لینے پر جرأت نہ کرنا چاہیے۔

صورت ثانی جس کو عرفاً صورت اول سے زیادہ مستند اور معتبر سمجھا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بجائے مریدوں کے سجادہ نشین مشائخ یہی رسم ادا کرتے ہیں۔ اس کی تحقیق کے لیے اصلاح الرسوم کے باب سوم کی فصل ہشتم کی عبارت کا جو کہ مدارس عربیہ کی رسم دستاربندی کے متعلق ہے نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ حالت ان دونوں کی مماثل ہے اور محذورات دونوں میں مشترک ہیں۔ وہو ھذا

فصل ہشتم:۔ منجملہ ان رسوم کے بعض مدارس کی یہ رسم ہے کہ طالبعلم نے کتابیں پڑھ لیں خواہ اسکو استعداد ہو یا نہ ہو اور خواہ اپنے علم کے موافق عامل ہو یا نہ ہو اسکو

سند فضیلت دے دیتے ہیں اور دستار بندی کر دیتے ہیں ۔ غور کرنا چاہیئے کہ رسم دستار بندی واقع میں اساتذہ اور مشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جاوے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے ۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو جو شرائط شہادت کے ہیں وہ اس میں ہونا واجب ہے ۔ اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے تاکہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہونچے ۔

اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونا چاہیئے کہ قابل مقتدا فی الدین بننے کے ہے یا نہیں ۔ اگر علماء حاضرین کو اس پر پورا اطمنان ہو اور اس کی حالت علمی وعملی قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب رسم ہے کہ اس میں اظہار ناواقفوں کے روبرو ہو جاتا ہے بشرطیکہ

تکلفات زائد جس میں ریا و اسراف لازم آوے نہ کئے جاویں بلکہ اگر واعظوں کے لئے بھی کوئی ایسی شرط ہو جاوے کہ بلا امتحان و سند علما کے وعظ نہ کہنے پاویں اور عوام بھی بدون پیش کرنے سند کے کسی اجنبی کا وعظ نہ سنا کریں تو بڑی ضروری و مصلحت کی بات ہے۔ اس سند و دستار بندی کی یہ حکمت ہے۔ اور بدون اہلیت کے ہرگز دستار بندی نہ کیجاوے نہ سند دی جاوے کہ بجز اضلال خلق اسکا اور کیا ثمرہ ہے۔

صورت ثالثہ جو سب سے زیادہ موثوق و حجت سمجھی جاتی ہے وہ یہ کہ بجائے دوسرے سجادہ نشین مشائخ کے خود شیخ خواہ انفراداً خواہ دوسرے مشائخ کی شرکت سے اپنے کسی مرید کو خصوص جبکہ وہ کچھ قرابت بھی رکھتا ہو اپنی جگہ سجادہ نشین کر دے اور دوسرے مریدوں کو اتباع و اطاعت کا حکم دے۔ اس صورت میں اس شیخ کے مریدین و معتقدین تو علی الاطلاق اور دوسرے لوگ بحالت اس شیخ مستخلف کے اہل اور بزرگ ہونے کے اس خلیفہ کے متعلق کسی طرح کا شک و شبہ دل میں نہیں لاتے اور آنکھ بند کر کے اس کو متبوع و مطاع سمجھتے ہیں

یہ کل تین صورتیں ہیں اب ہر صورت میں دو شقیں ہیں ایک یہ کہ اس سجادہ نشین میں اہلیت اس کی نہ ہو، سو پہلی دو صورتوں کی اس شق کا حکم فصلین مذکورین سے تصریحاً معلوم ہو چکا اور تیسری صورت کی اس شق کا حکم انہیں فصلوں سے باشتراک علت معلوم ہو گیا اور یہ حکم مذکور صرف اس تقدیر پر ہے جب کہ بجز عدم صلاحیۃ للتربیۃ والارشاد کے اس سجادہ نشین میں اور کوئی خرابی نہ ہو اور اگر دوسری خرابیاں بھی ہوں تو ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہو گا۔ اور یہ خرابیاں بھی بکثرت ایسے لوگوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ایک تجربہ کار نے اس عبارت سے نقل کیا ہے۔

جانشینی وسجادہ نشینی کے بیس مفاسد

بعض اطراف میں رسمی پیری مریدی کا سلسلہ مشائخ طریقت کی اولاد و اقارب نے بکثرت جاری کر رکھا ہے اور چونکہ اکثر

ان میں محض نااہل ہوتے ہیں لہذا ان کی وجہ سے بدعات شنیعہ و عادات قبیحہ میں ساری دنیا مبتلا ہے الّا ماشاء اللہ۔ اور سجادگان مشائخ بوجہ دنیا طلبی کے اپنے معتقدین کو اتباع سنت کی ترغیب و تحریص تو درکنار بلکہ خلاف شریعت حقہ مختلف بدعات میں مبتلا پاکر تائید و تشدید کرتے ہیں

اقسام بدعات

جن مفاسد میں مبتلا ہیں ان میں سے بعض امور بطور نمونہ بیان کیے جاتے ہیں

(۱) پابندی صوم و صلوٰۃ میں تساہل کرنا (۲) ہر سال قبور مشائخ پر بطور میلہ جمع ہونا، جو کہ مفاسد کا مجموعہ ہے۔

(۳) بعض مقامات میں مرد و عورت کا اختلاط اور طوائف کا گانا بجانا اور مختلف قسم کے لہو و لعب کے سامان کی جمعیت

(۴) ایسے مجمع کو باعث قرب سمجھنا (۵) اپنے پیر کو نفع و نقصان کا مالک اور عالم الغیب سمجھنا۔

(۶) زندہ اور مردہ پیروں کو سجدہ کرنا اور ان کا طواف کرنا اور ان کے مقابر کو بوسہ دینا (۷) حسن پرستی کو اور امرد و عورتوں کے حسن کے نظارہ کو ذریعہ وصول الی اللہ

سمجھنا (۸) در پردہ پیر خدام پیر کا غیر محرم عورتوں سے ناجائز تعلق رکھنا (۹) اپنے مشائخ کے سوا دوسرے مشائخ طریق کی تحقیر کرنا (۱۰) اگر کوئی شخص رسمی پیر کو چھوڑ کر کسی خدارسیدہ سے تعلق تربیت رکھے تو ان کو مردود البیعت و مطرود و قابل لعن طعن سمجھتے ہیں۔

(۱۱) شیخ واقف طریق سلوک اور ان کے متبعین کو بوجہ اجتناب بدعات و ہابی منکر رسول و بزرگاں مشہور کرتے ہیں (۱۲) اور پابندی رسوم کا اتنا اثر ہے کہ اگر کسی مقام میں کوئی خدا پرست خلیفہ شیخ گذشتہ اور ان کا رسمی سجادہ نشین اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو جمع ہوں تب بھی نماز وغیرہ میں وہ مجاز شیخ بھی اور ان دوسرے ہوا خواہ بھی ان رسمی سجادہ نشین کے ساتھ اقتدا کریں گے اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ رکھیں گے جیسے ایک مقتدا کے ساتھ۔ چنانچہ اس معتقدانہ برتاؤ سے خلق کے قلب میں ان کی مقبولیت مشائخ گذشتہ کی سی بلکہ زیادہ بڑھتی ہے۔ (۱۳) اور اسی قسم کے مفاسد قلیل و کثیر کمّاً و کیفاً ہر خاندان و گروہ مریدین گدی نشین میں پائے جاتے ہیں

اور یہ ان کے ساتھ اعتقاد واثق ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ بزرگی کا اسی خاندان وادلاد شیخ گذشتہ میں یکے بعد دیگرے تا قیام قیامت چلا جائے گا۔ (۱۴) اور ان تمام بدعات شنیعہ وعادات خبیثہ کی جڑ اور مبنیٰ اغلب واکثر یہ رسمی پیری مریدی ہے۔ اکثر صورتوں میں مستقلاً کہیں مشترکاً (۱۵) جس مقام پر ایک عرصہ دراز تک خدا کی یاد وکثرت اذکار واحسان وتعبد واصلاح خلق وترک دنیا واتباع سنت کا چشمۂ فیض جاری رہا ہو، اور ہزارہا مخلوق فیضیاب ہوئی ہو وہاں اسی کا یا پلٹ ہو جاتی ہے کہ دنیا پرستی ومجمع اہل ہوا اور شرک وبدعت اور اطوار قبیح واخلاق فضیح کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا دین کا فقط نام رہتا ہے نہ اتباع شریعت نہ اقتضاء شرافت نہ طبائع میں انابت وعبرت۔ ضلوا واضلوا کے پورے مصداق ہوتے ہیں (۱۶) اسی رسمی پیری مریدی کے شیوع کے اسباب میں بڑا سبب شیوخ کاملین کا تساہل وبے اعتنائی ہے ورنہ اگر شیوخ اپنی زندگی میں اس کا انتظام ووصیت کریں اور تقریری وتحریری

اہتمام ہو کہ ہمارے فلاں فلاں خلیفہ سے اگر خلیفہ اس کا
اہل ہو تعلق رکھیں ورنہ کسی اور اہل اللہ کا نام بتلا جاویں
اور اگر حاجت ہو تو اپنی حیات میں ان اہل اللہ کو اکثر مدعو
کرکے ان کے مواعظ سنیں تو پھر ہرگز یہ فتنہ نہ ہو اور جن
بزرگوں نے ایسا کیا تو وہ آفات و فتن سے محض محفوظ ہیں۔
(۱۷) بعض لوگ اپنے پس ماندگان کو قریب وفات کے
وصیت یاد خدا کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مطلب اس وصیت
سے نیابت کا نہیں ہوتا اور بعض اس سے بھی خاموش
رہتے ہیں تاہم خدام کھینچ تان کر اجازت بیعت و مناقب
جانشین کے مضامین تراش لیتے ہیں۔ (۱۸) چونکہ
اکثر طبائع میں مداہنت اور ہوا غالب ہے اس لئے بہت
اغراض پرستی کرشمے اور کرامات نمودار کی جاتی ہیں اور
بے سروپا محض جھوٹے بناوٹی مناقب و کرامات حتیٰ کہ
احیاء اموات و کشف مغیبات اپنے بناوٹی مشائخ کے
لئے ثابت و مشہور کرتے ہیں کہ اتنے کمالات و خرق
عادات ان مشائخ گذشتہ میں بھی جن سے یہ منسوب
اور جن کے جانشین ہیں نہیں پائی جاتیں۔

(۱۹) اوراد واذکار معمولہ مشائخ سلاسل کا نام تک نہیں جانتے اور نہ تعلیم و تلقین۔ (۲۰) فقط نذرانہ کی وصولی اور تعویذ، گنڈے اور پیر پرستی جو حد شرعی سے خارج ہو ان کا شغل ہے

یہ خلاصہ ہے رسمی پیری مریدی کا اور یہ تمام باتیں مشاہد ہیں دلیل کی ضرورت نہیں۔ ختم ہوئی عبارت اس تجربہ کار کی۔

دوسری شق یہ ہے کہ اس سجادہ نشین میں اہلیت بھی مشیخت کی ہو اور یہ شق صورت اول میں تو قریب قریب مفقود ہی ہے۔ کیونکہ اہلیت کی صورت میں دوسرے مریدوں سے استکمال کی اس کو کون ضرورت ہے اور دوسری صورت میں بحکم نادر ہی ہے۔ اسی دلیل سے کہ اہلیت کی صورت میں اس کی نوبت کیوں آوے گی۔ ہاں کہیں ایسا اتفاق ہو کہ اس شخص کی اہلیت کے اظہار کا نہ تو شیخ کو موقع ملا ہو نہ آثار و قرآئن قویہ سے خود ظہور ہوا ہو اور مشائخ معتبرین نے مستفیدین کی اطلاع کی مصلحت سے کسی خاص جلسہ میں اس کا اظہار کر دیا ہو جس کے لئے کسی خاص رسم کی بھی ضرورت نہیں تو ممکن ہے دقلیل ما ہو۔

کسی اہل کو جانشین بنانا بھی خرابی سے خالی نہیں

البتہ تیسری صورت میں بعید الوقوع نہیں کہ خود پیر نے کسی اہل کو اپنا جانشین کر دیا۔ بہرحال اہلیت کی حالت میں بظاہر سجادہ نشینی یا جانشینی میں کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر دیدۂ غائر پر انجام بینی کی عینک لگا کر اس سے دیکھا جاوے تو یہ بھی خرابی سے خالی نہیں وہ یہ کہ طبعاً اس جگہ پر بیٹھنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عموماً مریدین اس جانشین کو بالکل اس شیخ کی جگہ سمجھتے ہیں اور اس شیخ کے تمام خلفاء پر گو وہ اہلیت میں اس سے زیادہ ہوں اس جانشین کو ترجیح دیتے ہیں اور معتقدین تمام طالبین کو جس طرح بن پڑتا ہے گھیر گھار کر اس کی طرف لاتے ہیں اور صرف اس جگہ پر بیٹھنے کو سبب مرجح قرار دیتے ہیں۔ حتی کہ اگر اس کی اہلیت بھی کسی عارض سے

مفقود یا مبدل ہو جاوے تب بھی اس کو ترک کرنے کو اس جگہ کی بے حرمتی اور اس کے واسطے سے اس شیخ گذشتہ کی اہانت سمجھتے ہیں اور جس طرح ہو سکتا ہے اسی کو نبلہتے ہیں تو انجام اس کا پھر وہی رسم پرستی ہو گئی۔ یہ خرابی تو فی الحال ہے دوسری خرابی جو آئندہ چل کر مآل میں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پھر اس جگہ کو آباد رکھنا مقصود بالذات ہو جاتا ہے اور کبھی خود اس اہل ہی کو اور کبھی دوسروں کو اس کی فکر ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور کو تجویز کیا جاوے۔ پھر بعد چندے اہل نااہل کسی کی تمیز نہیں رہتی اور مثل ترکہ مالیہ کے اس میں بھی میراث جاری ہونے لگتی ہے اور مورث ووارث کے تفاوت سے یہ مضمون صادق آنے لگتا ہے ؎

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت
زشتی اعمال ما صورت نادر گرفت

دیگر:- ع

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ وناز

مشائخ اپنی جگہ آباد کرنیکی فکر نہ کریں

پس اس لئے اسلم یہ ہے کہ اہل کو اجازت دیدے خواہ اس کو کوئی نسبی تعلق بھی نہ ہو لیکن اپنی جگہ آباد کرنے کی فکر نہ کرے۔ گو اسباب اتفاقیہ سے اس کا قیام اسی جگہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ اہل اپنے خلیفہ کے ساتھ معاملہ کرے۔ وہلذا الی ماشاء اللہ تعالیٰ

کسی جگہ کو اہلیت میں کوئی دخل نہیں

ولنعم ما قیل فی عدم دخل البقعۃ فی الاھلیۃ

حسن ز بصرہ' بلال از حبش صہیب از روم
زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اور بقعہ کو مقصود بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کو اس قدر محترم سمجھ لیتے ہیں کہ اس مقام پر بیٹھنے والے پر کوئی اعتراض یا احتساب کرنے کو اس بقعہ کی اہانت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بیت اللہ سے بڑھ کر کوئی بقعہ نہیں مگر

اس کے خدام پر بھی جب کہ نااہل تھے حق تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے۔ فقال :۔

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کسی بزرگ سے صرف نسبی تعلق مقبولیت کی دلیل نہیں) :۔ اسی طرح کسی مقبول کی طرف انتساب کو مستقل علت احترام و تعظیم و ترک اعتراض کی قرار دی جاتی ہے۔ حالانکہ خاص ابن ہونے سے بڑھ کر کوئی نسب قریب نہیں۔ مگر نااہل ابن پر حق تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے

قال یانوح انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح

اور بدعات و منکرات کا رد تفصیلی اصلاح الرسوم کے فصول میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمایا جاوے۔

اور ان میں سے خصوص خلافت یا مشیخت نااہل کے متعلق دو آیتیں اور دو حدیثیں نقل کرتا ہوں :۔

آیت اولیٰ :۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْہِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ
اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْہِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ
یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿﴾

ترجمہ :۔ پھر ان سلف کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (یعنی توراۃ کو تو) ان سے حاصل کیا (لیکن اس کے ساتھ ہی حرام خور ایسے ہیں کہ احکام کتاب کے عوض میں اس دنیائے دنی کا مال و متاع (اگر ملے تو بے تکلف اس کو لے لیتے ہیں اور (بیباک ایسے ہیں کہ اس گناہ کو حقیر سمجھکر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جاویگی (کیونکہ ہم ابناء اللہ واحباء اللہ ہیں۔ ایسے گناہ ہماری مقبولیت کے روبرو کیا چیز ہیں) حالانکہ (اپنی بیباکی اور استخفاف معصیت پر مصر ہیں حتکہ) اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی (دین فروشی کے عوض) مال متاع آنے لگے تو (اسی بیباکی کے ساتھ پھر) اس کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کی طرف بجز حق اور واقعی بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کرو؟ (مطلب یہ کہ جب کسی آسمانی کتاب کو مانا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں

کہ ہم اس کے سب مضامین مانیں گے) اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا تھا اس کو پڑھ بھی لیا اور (انہوں نے یہ سب قصہ دنیا کے لئے کیا باقی) آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد و اعمال قبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ پھر کیا (اے یہود!) تم اس بات کو نہیں سمجھتے؟۔

آیت ثانیہ:۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝

ترجمہ:۔ پھر ان سلف کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی۔ سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا۔ سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔

اور یہ حدیثیں دونوں رسالہ حقیقۃ الطریقہ سے مع تقریر

استدلال نقل کرتا ہوں ۔

حدیث اول :۔ حدیث ہشتاد وہفتم عن عائشۃ رضی اللہ
من خطبۃ عمر قال فیہا انا عمر و لم احرص علی امرکم
ولکن المتوفی اوصی الی بذلک و اللہ الہمہ ذلک
لیس اجعل امانتی الی احد لیس لہا باھل و لکن
اجعلہا الی من تکون رغبتہ الی التوقیر للمسلمین
اولٓئک احق بہم ممن سواھم (اخرجہ مالک)

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا یہ مضمون منقول ہے کہ انہوں نے
فرمایا کہ میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو خواہش نہ تھی
لیکن متوفی (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے مجھ کو اس کی
وصیت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا
القا فرمایا تھا اور میں اس عہدے کو ایسے شخص کے حوالے نہیں
کرتا جو اس کا اہل نہ ہو البتہ ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا
ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو۔ یہ
یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں (روایت

ف یہ نمبر اس رسالہ کے سلسلے کا ہے ۔۱۲

کیا اس کو امام مالکؒ نے)

ف :۔ اصلاح عدم استخلاف نااہل، بعض متصوفین محض رسم کے طور پر حفظ سلسلہ کے لئے کسی کو خلیفہ بنا دیتے ہیں، اس حدیث سے اس کا ابطال ہوتا ہے اہل رسم کو اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔

حدیث ثانی :۔ حدیث[۵] دو صد و بست و ہفتم عن ابی الطفیل الی قولہ وزاد رزین عن ابن عباس ملعون من صد اعمی عن طریق ۔

ف :۔ اصلاح ذم مشیخت نااہل را، حدیث میں نابینا کو راہ سے بچلانے والے کی ملعونیت مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ آخرت کی راہ دنیا کی راہ سے زیادہ اہم ہے۔ اور اس کا اعمیٰ راہ دنیا کے اعمیٰ سے زیادہ اشد و احوج الی الہدایۃ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :۔

فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

جب اس اعمیٰ ظاہر کو راہ ظاہر سے بچلانے والا ملعون ہے تو اعمیٰ باطن کو راہ باطن سے بچلانے والا کس درجہ کا ملعون ہوگا۔ جھوٹے

۵؎ یہ نمبر اس رسالہ کے سلسلے کا ہے ۱۲

اور مکار اور ناواقف پیر اس کے پورے مصداق ہیں پس
ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ پیری سے توبہ کریں۔

وھذا آخر ما اوردناہ الآن واللہ العاصم من الطغیان
اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا
اجتنابہ وانا العبد الفقیر الی اللہ الغنی محمد المدعو
باشرف علی غفرلہ ذنبہ الجلی والخفی۔
الثانی عشر من صفر المظفر سنۃ ۱۳۲۷ھ فی کورۃ تھانہ بھون
صانہا اللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔ کتبتہا فی جلسۃ
واحدۃ الا اسطراً قلیلۃ وللہ الحمد علی نعمائہ الجزیلۃ
و آلائہ الجلیلۃ۔

تمام شد رسالہ تحفۃ الشیوخ

(مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں باہتمام احقر محمد شبیر علی مالک مطبع چھپا۔
صفر سنہ ۱۳۳۰ھ

اضافہ

یکے از خدام حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولنا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

ضمیمہ تحفۃ الشیوخ

نسبت مقصودہ ایک ہی ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ تربیۃ السالک میں تحریر فرماتے ہیں :۔

سوال :۔ اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوئی ہے تو کیا ان حضرات کو متعدد نسبتیں مثلاً نسبت چشتیہ و نقشبندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض اجازت ہی ہوئی تھی ؟ اور متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے ؟ اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اسکو متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہئیں ؟ لیکن حضرات چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے نہیں معلوم ہوتے اور اگر ہیں تو کسطرح نسبت کا حال معلوم ہو سکتا ہے ؟

جواب :۔ نسبت ایک حقیقت واحدہ ہے اختلاف استعداد سے اسکے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت وغیرہ کی خصوصیت نہیں، ممکن ہے

ایک چشتی اور ایک نقشبندی کی نسبت ایک لون کی ہو اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو، اسی طرح اختلاف اوقات سے اس لون میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ پس صاحب اجازت کیلئے نسبت کا حصول شرط ہے خواہ اسکا لون کچھ ہی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (تربیۃ السالک قدیم ص۱۷۱)

سوال :۔ نسبتیں بکثرت معلوم ہوتی ہیں

جواب :۔ فرمایا نسبت ایک ہی ہے الوان اسکے مختلف ہیں کسی کو خشیت ہوتی ہے اور کسی کو محبت اور کسی کو حضور مع اللہ ہوتا ہے اور ظہور اسکا اسکی استعداد کے موافق رہتا ہے (حوالہ بالا ص۴۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب القول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں مرجع الطرق کلہا الی تحصیل ھیئۃ نفسانیۃ یسمی عندھم بالنسبۃ لانہا انتساب وارتباط باللہ عزوجل وبالسکینۃ وبالنور یعنی مشائخ کے تمام طریقوں کا مرجع ایک ہیئت نفسانی کی تحصیل ہے جسکو صوفیہ کے نزدیک نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ اسکی حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ ایک خاص قسم کا ارتباط و انتساب ہے اور اسی نسبت کو سکینہ اور نور بھی کہتے ہیں۔ اور کچھ دور کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وھذا المعنی ھو المتوارث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طریق مشائخنا لاشک فی ذلک وان اختلف

الالوان و اختلف طرق تحصیلھا اور یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثۃ ہمارے مشائخ کے واسطے سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ اگرچہ اسکی الوان مختلف ہیں اور انکے تحصیل کے طریقے بھی مختلف ہیں (انتفار العلیل ص۶۵)

تعدد شیخ کی اجازت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں :۔ اگر ایک جگہ بیعت ہو کر دوسری جگہ تعلیم و اصلاح کا تعلق رکھے کچھ حرج نہیں خصوص جب بیعت کی جگہ سے مناسبت کم ہو اور دوسری جگہ مناسبت زیادہ ہو۔ (تربیۃ السالک جدید ص۱۳۰ ۱۷)

اور رأس المتاخرین حضرت مولانا گنگوھی قدس سرہ اپنے فتادی میں تحریر فرماتے ھیں کہ :۔ اگر ایک شخص سے کوئی مرید ہوا اور پھر معلوم ہوا کہ وہ پیر بدعتی ہے یا کسی وجہ سے قابل بیعت کرنے کے نہیں ہے تو اسکی بیعت کا فسخ کرنا واجب ہے اگر بیعت کو فسخ نہ کریگا تو گنہگار ہوگا۔

حدیث میں آیا ہے کہ المرء مع من احب سو اگر بدعتی سے محبت کریگا اسکے ہی ساتھ ہو جاویگا اور بدعتی سے محبت حرام ہے۔

اور جو وہ پیر قابل بیعت کرنے کے ہے مگر مرید کو اس سے فائدہ نہیں پہنچا تو بھی دوسرے پیر سے مرید ہو جانا درست ہے۔ مگر پہلے پیر سے بھی اعتقاد رکھے اور جو

پہلے پیر سے باوجود فائدہ ہونیکے بیعت فسخ کردے اور دوسرے سے مرید ہو جاوے تو بھی گناہ نہیں۔ پیری مریدی دوستی ہے آدمی جس سے چاہے دوستی دین کی کرلیوے کوئی گناہ کی بات نہیں مگر ہاں اچھے پیر اہلسنت کو چھوڑنا بلا وجہ اچھا نہیں کر ایسے مرید پر مشائخ التفات نہیں کرتے۔ لہذا اسکو فائدہ نہیں ہوویگا۔ ورنہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

یہ سب کتب تصوف میں مشائخ صوفیہ نے لکھا ہے اور پہلے پیر کے چھوڑنے کو کفر کہنا (یا کوئی اور فتویٰ صادر کرنا) تو یہ کسی نے بھی نہیں لکھا۔ یہ مقولہ بالکل کسی جاہل ناواقف کا ہے کہ اپنے دنیا کمانے کیلئے مکر پھیلایا ہے۔ یہ قول بالکل غلط اور مردود ہے، مشائخ قدیمہ دو دو تین تین اور زیادہ سے بیعت ہوئے ہیں چنانچہ کتب سلاسل سے ظاہر ہے تو اس شخص کے قول پر سب پر کفر عائد ہووے گا۔ معاذ اللہ۔ فقط والسلام واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ کامل صـ۲۱)

حضرت بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص ایک مدت تک کسی شیخ کی خدمت میں حسن اعتقاد کیساتھ رہا اور اسکی صحبت میں تاثیر نہیں پائی تو اس پر واجب ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرا شیخ تلاش کرے ورنہ اس کا مقصود و معبود وہ شیخ ہوگا نہ کہ خدائے تعالیٰ اور ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔

حضرت عزیزان رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ جو طریقہ نقشبندیہ کے شیخ ہیں فرماتے ہیں

ہاہر کہ نشستی و نشد جمع دلت ۔۔۔ وز تو نہ رمید صحبت آب وگلت

زنہار ز صحبتش گریزاں می باش ۔۔۔ ور نہ نکند روح عزیزاں بحلت

جس کے ساتھ تو بیٹھے اور تجھ کو دلجمعی نہ حاصل ہو اور تیرے دل سے دنیا کی محبت دور نہ ہو تو اسکی صحبت سے قطعًا دور بھاگ ورنہ عزیزان کی روح تجھ کو معاف نہ کرے گی مگر اس شیخ سے حسن ظن رکھے اسلئے کہ ممکن ہے وہ شیخ کامل مکمل ہو لیکن اسکا حصہ اسکے پاس نہ رہا ہو۔ اسیطرح اگر کوئی شیخ کامل مکمل ہو اور اس دنیا سے رحلت فرما جاوے اور مرید درجہ کمال تک نہ پہنچا ہو تو اس مرید کیلئے واجب ہے کہ دوسرے شیخ کی صحبت[عہ] تلاش کرے اسلئے کہ مقصود خدائے تعالیٰ ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو بیعت کی تھی وہ محض دنیوی نہیں تھی بلکہ ان حضرات خلفاء سے کمالات باطنی کی تحصیل بھی مقصود تھی، اگر کوئی کہے کہ اولیائے کرام کا فیض انکی وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے اسلئے

عہ اسی بنا پر حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے والد محترم سے خلافت حاصل ہونے کے باوجود ان کی وفات کے بعد خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور ہمارے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ میں سے حضرت شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ ولایتی، اولاً شاہ رحم علی صاحب رحمہ اللہ سے سلسلہ قادریہ میں پھر شاہ عبد الباری صاحبؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اس کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی۔ اور آپ کو بیعت کی اجازت سید صاحب ہی نے عطا فرمائی۔ نیز حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے متعدد مشائخ سے بیعت واستفاضہ فرمایا۔ اس طرح کے صدہا نظائر موجود ہیں۔

دوسرے شیخ کی تلاش بیکار ہے تو اس سے کہا جاویگا کہ وفات کے بعد اولیا کا فیض اسدرجہ نہیں رہجاتا کہ ناقص کو درجہ کمال تک پہنچادے مگر شاذ و نادر (والنادر کالمعدوم) اگر وفات کے بعد بھی فیض اسی طرح جاری رہتا جیسا کہ حیات میں ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لیکر ابتک کے تمام اہل مدینہ صحابہ کرام کے برابر ہوتے اور کوئی شخص اولیا کی صحبت کا محتاج نہ ہوتا۔ اور مردہ کا فیض مثل زندہ کے کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فیض پہنچانیوالے اور فیض حاصل کرنیوالے کے درمیان مناسبت شرط ہے جو وفات کے بعد مفقود ہو جاتی ہے۔ البتہ فنا و بقا کے بعد جبکہ مناسبت باطنی حاصل ہو جائے تو قبور سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہے مگر وہ بھی اسقدر نہیں ہو سکتا جتنا کہ حیات میں ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طریق تعلیم و تربیت سالکین فی زمانہ

ارشاد:۔ نقشبندیہ کا مذاق یہ ہے کہ وہ پہلے ہی دن ذکر کی تلقین کرکے تخم ریزی شروع کر دیتے ہیں اور چشتیہ اول ازالۂ رذائل کا کام شروع کرکے ناک چنے چبواتے ہیں بلکہ چبواتے تھے کیونکہ اب تو وہ بھی طالبوں کی ضعف ہمت کی وجہ سے نقشبندیوں کے طریقے پر عمل کرنے لگے اور وصل و فصل دونوں کو ساتھ ساتھ لیچلتے ہیں۔ آجکل یہی صورت مناسب ہے کہ سالک کو ذکر و شغل کی تعلیم کے ساتھ اصلاح رذائل کا بھی امر کیا جائے۔ اور ہر رذیلہ کی اصلاح کا علاج بتلایا جائے۔ گو زیادہ ضروری علاج رذائل کا

ہی ہے مگر ذکر کیساتھ رذائل کا علاج بہت سہل ہوجاتا ہے ۔ (انفاس عیسیٰ ج۲)

خلافت و اجازت کا مقصد

حضرات مشائخ کی طرف سے خلافت و اجازت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجاز و خلیفہ پر لوگوں کو اعتماد اور اس کے ساتھ حسن ظن قائم ہوجائے تاکہ اس سے اصلاح و استفاضہ کریں ۔ نہ یہ کہ خود صاحب اجازت و خلافت اپنے کو کامل سمجھ کر اپنی اصلاح سے غافل ہوجائے اور اکابر سے استغنا برتنے لگے۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں اپنے کسی خلیفہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

" اجازت تعلیم طریقت بہ شما دادہ است اگر او کفایت نہ کند اجازت نامہ چہ کار خواہد کرد، لازم نیست کہ ہر چہ در خاطر بگذرد البتہ آں را سعی باید کرد۔ چیزہائے بخاطر می گذرد کہ ترک آں اولیٰ و انسب است۔ فکر کار خود باید کرد تا بسلامت برد۔ اجازت نامہ و مریداں بکار نخواہند آمد۔ در ضمن کار خود اگر شخصے بہ طلب صادق بیاید آں را تعلیم طریقت بکنند نہ آنکہ تعلیم طریقہ را اصل کار بگیرند و معاملہ خود را تابع او سازند کہ سراسر ضرر و خسران است ۔ (مکتوب ۲۲۸)

تعلیم طریقت کی اجازت تم کو دی جا چکی ہے۔ اگر وہ کفایت نہ کرے تو اجازت نامہ کیا کام کرے گا۔ کوئی ضروری نہیں کہ جس چیز کا دل میں خیال آوے اس کے لئے ضرور سعی کی جائے۔ بلکہ بہت سے خطرات دل میں ایسے گذرتے ہیں کہ ان کا ترک اولیٰ والنسب ہوتا ہے۔ آدمی کو اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ دنیا سے ایمان سلامت لے جائے۔ اجازت نامہ اور مریدین آخرت میں کچھ کام نہ آویں گے، ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص طلب صادق کے ساتھ آوے اس کو تعلیم طریقت کردیں نہ یہ کہ تعلیم طریقت کو اصل مقصود بنالیں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع کردیں۔ اس لئے کہ اس میں تو اپنا سراسر نقصان اور خسران ہے۔

سلوک کا مقصود اصلی فنا و نیستی ہے

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے صاحبزادے اور ان کے اجل خلفا میں سے ہیں، اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست۔ مقصود ازاں ادائے وظائف بندگی است بے منازعت نفس۔ و نیز مقصود نیستی و گمنامی است و زوال رعونت و انانیت امارہ کہ معرفت

بداں مربوط است"۔
سیر وسلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود وظائف بندگی کو اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔ اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گم نامی کی تحصیل ہے اور نفس کی سرکشی اور خودرائی کو دور کرنا ہے۔ اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

مخلوق کی بے التفاتی عین راحت کا سبب ہے

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ عجیب وغریب بات تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر کہ بایں کس رجوع میکند و انابت می آرد اورا از حق بازداشتہ بخود مشغول می سازد وہر کہ رجوع نمی آرد اورا بحق می دارد وممنون اوباید شد"۔

جو کوئی ایسے شخص کی جانب رجوع کرتا ہے اور اس سے تعلق کا اظہار کرتا ہے، تو گویا اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر کر اپنے ساتھ مشغول کرتا ہے۔ اور جو کوئی ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا

تو وہ اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا موقع دیتا ہے۔ لہٰذا اسکا تو احسان ماننا چاہیئے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ اس دار دنیا میں مقصود اصلی یہی ہے کہ آدمی تمام تعلقات سے اپنے قلب کو فارغ کرکے حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی　　　چوں پیوندہا بگسلی واصلی

اسی بنار پر حضرت معصوم قدس سرہ آگے فرماتے ہیں کہ :۔

یارب ہمہ خلق را بمن بد خو کن　　　واز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کنی از ہمہ جہت　　　در عشق خودم یکجہت و یکرو کن

اللہ! تو ساری مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے اور مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرمادے اور میرے دل کے رخ کو ہر طرف سے پھیر کر اپنے عشق و محبت میں مجھے یکسو کردے اور ہمہ تن اپنی طرف متوجہ فرمادے۔

سبحان اللہ، حضرت خواجہ معصوم قدس سرہ نے کیسا عمدہ کلام فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات طریق کو کتنا سمجھے ہوئے ہیں ان کے کلام سے یہ بات واضح ہوئی کہ سلوک کا مقصود محض پیری و مریدی کرنا نہیں ہے، بلکہ نفس کو مٹانا، انانیت کو فنا کرنا، اور

وظائف بندگی کو ادا کرنا یہی اصل مقصود ہے اور اسی سے نسبت مع اللہ حاصل ہوتی ہے جس کو ہمارے مشائخ غنیمتِ کبریٰ فرماتے ہیں۔

نسبتِ صوفیہ غنیمتِ کبریٰ ہے

مرشدی و مولائی حضرت مصلح الامت قدس سرہ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "نسبت صوفیہ" میں اس پر بہت شرح و بسط کے ساتھ مفصل اور مدلل بحث فرمائی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہی وہ نسبتِ مسلسلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ مشائخ متوارث چلی آرہی ہے جس میں کوئی شک نہیں اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ طرق کا مرجع اور اس کا حاصل قرار دیا ہے۔ نیز ایک اور مقام پر اس کو غنیمت کبریٰ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"نسبتہائے صوفیہ غنیمتے است کبریٰ اما رسوم ایشاں بہیچ نمی ارزد"۔

نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ ہے لیکن ان کے رسوم کی کوئی قیمت نہیں۔ (نسبت صوفیہ ص ۶۵)

دیکھئے شاہ صاحب تو یہ فرما رہے ہیں کہ اصل شئے نسبت ہے اور رسوم کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے کہ رسوم ہی کو مقصود بالذات بنالیا گیا ہے اور اصل شئے سے بالکل غافل ہیں جیسا کہ حضرت مصلح الامتؒ اپنے اسی مضمون میں چند سطور بعد تحریر فرماتے ہیں :-

" وجہ کلی اس کی یہ ہے کہ مقصود اور غیر مقصود میں امتیاز نہیں باقی رہا۔ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنالیا گیا ہے چنانچہ اسی کی جزئی یہ بھی ہے کہ مشائخ کو مقصود سمجھا جاتا ہے اور ان کے پاس جو دولت ہے یعنی نسبت مسلسلہ اور نور و سکینہ اس کے تحصیل کی فکر نہیں۔ اس زمانہ میں طریق کے اندر یہ ایک بہت بڑی بدعت داخل ہوگئی ہے۔ جس نے طریق کو فاسد کردیا۔" (حوالہ بالا ص۱۶)

بیعت کو مقصود بالذات اور ضروری سمجھنا بدعت ہے

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں درج ہے پھر فرمایا کہ، میں چاہتا ہوں کہ دین اپنی اصلی حالت میں آجائے مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ متبع سنت ہیں اور اپنی ہی

جماعت کے ہیں ان کے یہاں بھی بس یہی دو چار چیزیں تو بدعت ہیں:- مولد کا قیام، عرس، تیجہ، دسواں۔ اس کے علاوہ جو اور چیزیں بدعت کی ہیں، انھیں وہ بھی بدعت نہیں سمجھتے چاہے وہ بدعت ہونے میں ان سے بھی اشد ہوں۔ مثلاً بیعت ہی کو دیکھئے، جس ہیئت اور جس عقیدے سے آج کل لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہیں وہ بالکل بدعت اور غلط عقیدہ ہے۔ لیکن کسی سے کہیں تو سہی اپنی ہی جماعت کے لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔

اصلاحِ نفس کے لئے صرف ذکر کافی نہیں

ایسی ہی ایک دوسری غلطی ہے کہ ذکر کو اصلاح کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس پر اپنی ہی جماعت کے ایک صاحب اجازت بزرگ سے دو گھنٹے میری بحث رہی۔ وہ یہی کہتے رہے کہ صرف ذکر کافی ہے اصلاح کے لئے۔

دیکھئے یہ اپنی جماعت کے لوگ ہیں انھیں کو اس مسئلہ میں اختلاف تھا وہ اصلاح کے لئے صرف ذکر ہی کو کافی سمجھتے تھے حالانکہ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے کیونکہ یہ شخص بھی اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگتا ہے۔

اور کبھی اس کو اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نفس کی اصلاح تو ایک مستقل چیز ہے جو مخالفت نفس ہی سے ہو سکتی ہے۔

(الافاضات الیومیہ جلد دھم صـ۱۲)

ناقل عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ تو اس بات پر رنج و غم ظاہر فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے اصلاح نفس کے لئے ذکر کو کافی سمجھ رکھا ہے، مگر اب تو یہ بھی باقی نہیں رہا بلکہ صرف بیعت ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ اصلاح کا خیال عنقا ہے ہی ذکر کا بھی اہتمام نہیں رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ناقص کی صحبت سخت مُضر ہے

مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامت قدس سرہ شیخ کامل کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مشائخ کاملین جہاں کہیں صحبت شیخ کی ضرورت پر کلام فرماتے ہیں وہیں اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ شیخ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ شیخانِ ناقص کی طرف رجوع کرنے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ ناقص کی صحبت سخت مضر ہے...... بزرگانِ دین نے ہر زمانے میں اس کو سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے اور ہر دور میں

ناقص و کامل کی بحث کو چھیڑا ہے اور ناقص کی صحبت سے پرہیز کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ حضرت شیخ عبدالحق محدث رحؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ :۔

"مضر ترین چیزہا صحبت ناقص است۔ و ناقص دریں باب نزد من کسے است کہ اورا غم کمال و تاسف بر احوال خود نیست و آنکہ اورا غم ایں کار ست رو در کمال دارد، ہر چند کامل نباشد در صحبت وے ضرر نیست۔"

(الطرائف والظرائف صہ ۲۸)

سب سے زیادہ مضر شے ناقص کی صحبت ہے اور میرے نزدیک ناقص وہ ہے جسے اپنے کمال کا غم اور بد حالی پر افسوس نہ ہو اور جس کو اپنے کمال کا غم ہو ہر چند وہ کامل نہیں ہے مگر اس کا رخ کمال کی طرف ہے اور ایسے شخص کی صحبت میں کوئی ضرر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جسے اپنے نقصان کی خبر ہو اور اس کو دور کرنے کی فکر ہو اس کی صحبت مضر نہیں۔ اس غم کی وجہ سے کم از کم وہ دوسروں میں بھی کمال کا غم اور فکر تو پیدا کر ہی دیگا۔ یہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ درد دنیا یافت بھی حاصل ہو جائے تو بہت کچھ حاصل ہو گیا۔ آج یہی غم ہی تو نہیں پیدا ہوتا۔"

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کسی طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ :۔
"اگر بعد مجاہدہ ہزار سال حسرت درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہے" (معرفت حق)

نیز مولانا روم" فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت
اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال
کو گمانے می برد خود را کمال

علت بدتر زپندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

جو شخص اپنے نفس کو سمجھ گیا وہ اپنی تکمیل میں نہایت اہتمام سے سعی کرے گا اور جس کو حق تعالیٰ کی طرف سے عروج روحانی نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے (اس لئے تحصیل کمال میں سعی نہیں کرتا) اے دھوکہ میں پڑے ہوئے اور گمراہ انسان تیرے اندر اپنے کو کامل سمجھنے سے بڑھ کر کوئی باطنی بیماری نہیں ہے۔

اصلاح کے لئے شیخ کامل کی طرف رجوع ضروری ہے

مرشدی و مولائی حضرت مصلح الامت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :۔
"دین سیکھو، بغیر سوچے سمجھے محض کسی کے بدن پر گرنا کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمارے بدن کو تبرک مت بناؤ، تعلیمات کو تبرک

بناؤ۔ اگر تعلیمات کو تبرک بناؤ گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ جو کہتا ہوں اس کو سنو اور عمل کرو۔ دیکھو مشائخ کاملین کیا فرما رہے ہیں:۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ "تعلیم الدین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کمال باطنی کا حاصل کرنا جب ضرور ٹھہرا اور عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ بے توسل پیر کے یہ راہ قطع نہیں ہوتی اس لئے پیر (کامل) کا تلاش کرنا ضرور ٹھہرا۔ طریق اس کا یہ ہے کہ اکثر درویشوں سے جن پر احتمال کمال کا ہو ملتا رہے اور کسی کی عیب جوئی اور انکار میں مبادرت نہ کرے۔ مگر جلدی سے بیعت بھی نہ کرے۔ اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں؟ اگر مستقیم نہیں تو اس سے علیحدہ ہو جائے، گو خوارق وغیرہ اس سے صادر ہوتے ہوں....

اور اگر شرع پر مستقیم ہے تو خود اس کا نیک اور ولی ہونا تو ثابت ہو گیا مگر اس شخص کو تو ضرورت تربیت و تکمیل کی ہے اس لئے ابھی بیعت نہ کرے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب میں کچھ اثر (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت، دنیا و معاصی سے نفرت) پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہی علامت آئی ہے اذا رءوا ذکر اللہ (یعنی ان کو دیکھ کر خدا یاد آوے۔)

شیخ کی وفات کے بعد دوسری جگہ تلاش کرے

حضرت مرشدی مصلح الامت قدس سرہٗ حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ

" اسی طرح اگر شیخ کا انتقال قبل حصول مقصود کے ہوجائے یا ملاقات کی اُمید نہ ہو جب بھی دوسری جگہ تلاش کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے۔ دوسرے شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہوسکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال کی ترقی ہوتی ہے سو یہ شخص تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی۔ لاکھوں قبریں کاملین بلکہ انبیاء علیہم السلام کی موجود ہیں۔

(تعلیم الدین ص ۶۳)

سبحان اللہ! حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے کیسی وضاحت فرمادی۔ طریق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر علماء نے کلام نہ فرمایا ہو۔ تمام تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور ہر دور میں علماء اس کو پیش فرماتے رہے ہیں اس لئے ہم بھی پیش کر رہے ہیں۔

(معرفت حق)

شیخ کامل کی علامات

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

چونکہ آدمی کی صورت میں بہت سے ابلیس موجود ہیں اس لئے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے یعنی مرید ہونے میں جلدی نہ کرنا چاہیئے۔

اس کی شرح میں حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کلید مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ کے شیخ ہونے کی علامات یہ ہیں۔

۱۔ کسی کامل کی خدمت میں مدت تک مستفید ہوا ہو۔
۲۔ اہل علم و اہل فہم اس کو اچھا سمجھتے ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں
۳۔ اس کی صحبت سے محبت الٰہی کی زیادتی اور محبت دُنیا کی کمی قلب میں محسُوس ہوتی ہو
۴۔ اس کے پاس رہنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہو۔

یہ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بناوے اور اس کو اکسیر اعظم سمجھے اور اس کی زیارت و خدمت کو کبریت احمر جانے۔

پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخ کامل میں ہونا چاہیئے یہ ہے۔

متقی و صالح ہو،[۱] متبع سنت ہو،[۲] علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو،[۳] کسی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدہ باطنی حاصل ہو،[۴] عقلا و علماء اس کی طرف مائل ہوں،[۵] اس کی صحبت موثر ہو۔[۶] اس سے مریدوں کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو۔[۷]

(کلید مثنوی اول ص ۶۳)

سیّدنا احمد کبیر رفاعی قدس سرہٗ کی وصیت

بزرگو! مجھے بھیک مانگنے والوں کا ڈھیرا نہ بنانا (کہ جس طرح وہ ڈھیرا بجا بجا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اسی طرح تم میری تعریفیں کرکے لوگوں کو میری طرف مائل کرو) میری خانقاہ کو حرم (کی طرح زیارت گاہ) نہ بنانا، مرنے کے بعد میری قبر کو بت نہ بنانا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ مجھے دنیا میں اپنی طرف یکسو کرلے سو بحمد اللہ یہ بات جمعیت قلب کے ساتھ حاصل ہوگئی اور اُمید ہے کہ اس دُنیا کمینہ سے الگ ہونے کے وقت بھی میں خیریت کے ساتھ اس مقصود کو پہنچ جاؤں گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچی دلجمعی حاصل ہوجائے تو پھر کسی چیز کی پروا نہیں۔

اذا صح منه الوصل فالکل هین

وکل الذی فوق التراب تراب

جب اللہ تعالیٰ سے سچ مچ وصال ہوجائے پھر اور چیزیں سب معمولی ہیں مٹی کے اوپر جو کچھ بھی ہے مٹی ہی ہے۔

(البنیان المشید ص۹۹)

حضرت مصلحنا و مصلح الامت قدس سرہ کا وصیت نامہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں باجازت بزرگان دین بیعت بھی کرلیا کرتا ہوں جبکہ طالبین اسکی درخواست

کرتے ہیں لہذا عرض پرداز ہوں کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت لیتا ہوں یعنی چشتیہ' نقشبندیہ' قادریہ اور سہروردیہ میں کیونکہ یہ سب حضرات اہل حق ہیں اکابر اولیاء اللہ صاحب سلسلہ نیز اکابر علماء سے ہیں ان اکابر کی خصوصیات میں سے طریقت اور شریعت کی جامعیت ہے۔ چنانچہ اتباع سنت اور عمل بالشریعۃ میں ان حضرات کا قدم راسخ رہا ہے۔

اتباع سنت کی وصیت

اسلئے حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان بزرگوں کی خصوصیات کو سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت باطنی کو ان حضرات کے توسل سے حاصل کیا جائے اور انکی عقیدت و محبت کو حرز جان بنایا جائے اسلئے کہ یہ حضرات مقبولان حق ہیں اور مقبول اسی لئے ہیں کہ انہوں نے اتباع رسول میں خود کو فنا کر دیا تھا لہذا ہمکو جب ان سے محبت ہے تو انکے سارے اقوال و اعمال و احوال سے بھی محبت ہونی چاہئے۔ اور ان کے حالات میں سب سے نمایاں حال جو ان حضرات کا طغرائے امتیاز تھا اور یہ حضرات انمیں سب سے ممتاز تھے انکا یہی اعتصام بالسنۃ اور اتباع شریعت تھا۔ شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہر یکے از اولیا بر قدر علو درجہ خویش در متابعت سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) دمے و قدمے دارد کہ یکے بدیگرے نرسد و فہم آں ادراک نبود۔

سلاسل اربعہ کی سیرت کو پیش نظر رکھیں:۔ چنانچہ میں ان لوگوں کو جنہوں نے مجھ سے بیعت کی ہے خصوصًا اور ہر آمد و شد رکھنے والے کو عمومًا یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان مشائخ کرام کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباع سنت نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی

سیرت کو پیش نظر رکھیں اور جملہ صالحین کے حالات و ملفوظات کو عموماً اور ان سلاسل اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات وحالات کو خصوصاً نقل مجلس بنائیں تاکہ صحیح علم ہوتا رہے اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلہ فیض جاری رہے۔

میرا شجرہ

حضرات مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں پس جو لوگ کہ مجھ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیت کو بمنزلہ شجرہ ہی کے تصور کریں اور اس کو کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تاکہ ان مشائخ سے عقیدت اور محبت تازہ ہو کر ان سے استجلاب فیض کا ذریعہ بنے۔

بیعت کی غرض

جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انہیں کوئی دستور العمل یا نظام کار بتا دیا جائے تاکہ وہ آئندہ اس کے مطابق کام کریں تو اس کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے لئے تو دستور العمل یہی شریعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا میں بھیجا ہے۔ اسیکا اتباع پہلے بھی ضروری تھا۔ اور اب بیعت ہونے کے بعد بھی لازم ہے بلکہ بیعت کی غرض اپنے کو شریعت کے مطابق بنانا ہے۔

شریعت کا اتباع تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر بیعت سے اسکا نیا اہتمام مقصود ہوتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے القول الجمیل میں اس پر نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے

ہیں کہ سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں ان کا ضبط افعال واقوال ظاہری سے ہو اور افعال واقوال ان امور قلبیہ کے قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قیامت (وغیرہ) کی تصدیق امر مخفی ہے تو اقرار باللسان کو تصدیق قلبی کے قائم مقام کیا گیا۔ اور جس طرح سے کہ رضامندی بائع ومشتری کی قیمت اور مبیع کے دینے میں امر مخفی ہے تو ایجاب وقبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا فکذلک التوبۃ والعزیمۃ علی ترک المعاصی والتمسک بحبل التقوی خفی مضمر فاقیمت البیعۃ مقامہا۔ اسی طرح توبہ اور ترک معاصی کا عزم کرنا اور تقوی کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا قصد امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ (شفاء العلیل ص۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا حاصل اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے ترک معاصی کا عزم کرنا اور تقوی کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے (وصیۃ السالکین ص۸)

حضرت مصلح الامّت قدس سرہ کی ایک اہم نصیحت و وصیت

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جبکہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے۔ کیونکہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے سامنے جھکنے سے منع کرتی ہے ورنہ ہر ہی زمانے میں اہل کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسی عار و استکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں۔ اس لئے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا۔ کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ آدمی جب خودی و تکبر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود

میں حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء و طلبہ کو کوئی کمال جو نہیں حاصل ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہی ان کا عار و تکبر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے۔ اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کر کے اس کو ترک کر دیں تو کمال کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔

چنانچہ جن لوگوں کو کچھ حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر و عار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

(الافادات الوصیۃ صہ ۳۶)

او کھائی پریس، اردو بازار کراچی فون ۲۱۴۴۲۵۳

تکملہ

احقر مرتب ضمیمہ ہذا عمار احمد عفی عنہ ناظرین کرام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس ضمیمہ میں جو ارشادات نقل کئے گئے ہیں ان سے مقصود محض یہ ہے کہ اکابر امت نے جن امور کی طرف نہایت شدومد کے ساتھ متوجہ فرمایا ہے۔ اور آج ان سے عام طور پر غفلت ہو رہی ہے جس سے زبردست گمراہی کا اندیشہ ہے ان امور کی یاد دہانی کرا دی جائے۔

چنانچہ بحمداللہ اس ضمیمہ میں اکابر امت کے ایسے ارشادات جمع ہو گئے ہیں کہ اگر ان میں غور کیا جائے تو بہت سے اغلاط طریق پر اطلاع ہو کر ان سے نجات ہو سکتی ہے اور اس راہ سے طریق میں جو گمراہی آ رہی ہے اس سے بخوبی بچا جا سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حسن اتفاق سے جبکہ یہ ضمیمہ زیر ترتیب تھا احقر کی حاضری پاکستان بھی ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ یہاں کے اکابر کی زیارت نصیب ہوئی اور ان سے استفادہ کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ بالخصوص محترمی جناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم صاحب تصانیف جلیلہ و ناظم مجلس اشاعتہ الحق کراچی پاکستان خلیفہ مجاز بیعت مخدومی جناب حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم۔

اور مخدومی جناب حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت قدس سرہ۔ جیسے کاملین اور سراپا لطف و کرم کی

کی زیارت اور ان کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا جس سے قلب میں نور و سرور محسوس ہوا۔

اسی سفر میں حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کی تصانیف مآثر حکیم الامت اور بصائر حکیم الامت کے مطالعہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ جن میں حضرت الامت قدس سرہ کی خصوصیات، تعلیمات اور سوانح حیات کا خلاصہ نہایت جامع اور سہل عنوان سے ایک مخصوص انداز میں مرتب فرما کر گویا علوم و معارف اشرفیہ کے بحر زخار ان کوزوں میں سما دیا ہے۔

بعض مضامین جن کی عرصے سے احقر کو تلاش تھی ان دونوں کتابوں میں جا بجا مل گئے۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان مضامین کو بھی بعنوان تکملہ ضمیمہ تحفۃ الشیوخ میں شامل کر دیا جائے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام کے لئے مزید بصیرت کا موجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی قدردانی نصیب فرمائے اور بیش از بیش استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین

والسلام

احقر عمار احمد عفی عنہ

شخصیت پرستی پر نکیر

ما ثر حکیم الامت میں کمالات مرشد کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

رد ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے بزرگان طریقت جنھوں نے روحانی سلاسل کی بنیاد ڈالی تھی ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کی مرضی کے مطابق نفس کی اصلاح ہو جائے اور صحیح معنوں میں انسان انسان بن جائے۔

طالبین سلوک نفس و شیطان کے کید اپنے شیخ سے بیان کرتے ہیں اور وہ علاج تجویز کرتے ہیں اور اس کے استعمال کے لئے تدبیریں بتاتے ہیں۔ اختلاف استعداد و ہمت کی بنا پر مشائخ سالک کو رذائل سے اجتناب اور حسنات کے اکتساب کیلئے ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کرتے ہیں۔ کسی کیلئے مراقبے اور کسی کیلئے ذکر و اذکار۔ کسی طالب پر خوف کو غالب کرتے کسی کو رحمت الٰہی کی طرف متوجہ کرتے جیسی جس کیلئے ضرورت سمجھے اس کو اس طریق پر لگا دیتے۔ مقصود سب کا تزکیۂ باطن اور حصول رضا الٰہی ہوتا ہے یہی حقیقت تھی خانقاہی اعمال اور خانقاہی اسرار کی۔

رفتہ رفتہ نا اہل لوگ خانقاہوں پر قابض ہوگئے اور خانقاہی جانشیوں میں وہ صلاحیت نہ رہی جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو۔ واجب اور غیر واجب، ضروری اور غیر ضروری کو سمجھیں، سنت اور بدعت میں فرق جانیں۔ مختلف رسومات اختراع کرکے اہل خانقاہ خود فریبی، ریا کاری اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہوگئے اور خانقاہیں صحیح تعلیم سے بیگانہ ہوگئیں۔ اتباع شریعت و سنت کی اہمیت اور اس کا اہتمام نہ رہا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطب العالم شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ گو اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ تر اہل علم ہی گرویدہ تھے۔ آخر کوئی چیز تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایسی تھی جس کو یہ حضرات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ بات وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے مجتہد اور مجدد تھے"

مدتوں سے طریق مردہ پڑا تھا۔ حضرت کی برکت سے اس کی تجدید ہوئی فی زمانہ خانقاہوں میں ہر جگہ تو بیٹھ گئے ریاکار اور منافق طریق۔ اب یہ تدابیر اصلاح کی کون بتلائے اور کون اس کا طالب ہو۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادراک روحانی نے یہ بات محسوس کی اور منجانب اللہ ان کے قلب و وجدان پر یہ القا ہوا کہ تمام سلاسل کی اصلاح کرکے ان کو ایک سلسلے میں منسلک کردیا جائے کیونکہ مقصود سب کا انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی تھا جس کا دوسرا عنوان تحصیل رضاء الٰہی ہے اور جس کا طریق یہی اعمال ماموربہا ہیں۔ رہے مجاہدے اور ریاضتیں، اذکار و اشغال وغیرہ یہ نہ تو خود مقصود ہیں اور نہ بذات خود طریق ہیں۔ ایک درجہ میں طریق پر آ ہنگی اور رسوخ حاصل کرنے کی تدابیر ہیں، اور حصول مقصود کے لئے معاون و معین ہیں۔

(مآثر حکیم الامت ص۱۱۳)

(کمالات مرشد)

مختلف مشائخ سے استفادہ

حضرت نے طریقت کے چاروں سلسلوں سے فیض حاصل کیا مجاہدے کئے، ریاضتیں کیں، قبض و بسط کی سخت اور دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرے، سلوک کا ہر میدان طے کیا، ہر مقام کی سیر کی، تصوف کا گوشہ گوشہ دیکھا۔ ہر دوکان معرفت پر گئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی برکات و فیوض باطنہ حاصل کیں۔ ان کے منشا۔ کو سمجھا۔ اس کے بعد یہ مجدد وقت تھانہ بھون کی خانقاہ میں ایک نسخۂ اکسیر لیکر بیٹھا۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سینے پر گنجینہ کی شرح فرمائی۔ پھر آسمان کے نیچے ایک مہتم بالشان مجلس لگی۔ رنگ ڈھنگ بدل گئے۔ پھر وضوح حق ہوا، حقیقت منکشف ہوئی، طریق زندہ ہوا، اصلاح کا باب کھلا، انسانیت تقسیم ہوئی اور گمراہی کے دروازے بند ہو گئے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے طالبین مخلصین سمٹ آتے۔ سالکین ذاکرین کی آمد و رفت ہوئی۔ علماء و طلباء کے اجتماع ہوتے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس میں علوم و معارف و حقائق کے دریا بہاتے۔ اہل ذوق حفاظ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی باتیں سنتے اور لکھتے۔ عارفین جھومتے اور اہل دل وجد کرتے۔ اور تعلق مع اللہ کا وجدان حاصل کرتے۔ بڑے بڑے علماء عقلا۔ اور فلسفی حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ جاتے۔ وہ حقائق و معارف جو عربی و فارسی زبان میں تصوف و سلوک کی بڑی بڑی کتابوں میں راز کی صورت میں مدون تھے اس دور آخر کے مجدد نے علی الاعلان بڑی سہل اردو زبان میں سب کے سامنے ظاہر کر دیئے اور فن تصوف کے ایک ایک جزو کو ایسا بے غبار کر دیا کہ صدیوں تک تجدید کی ضرورت باقی نہ رہی اور

اس شاہراہ پر دور دور تک کسی رہزن طریق کی مجال نہیں کہ دھوکا دے سکے۔

تجدید سلاسل

ہمارے حضرت نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی بدعات کو بھی ختم کیا اور چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ کی تجدید فرمائی اور صاف صاف وضاحت فرمادی کہ طریقت جو عین شریعت و سنت ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ زندقہ ہے ۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں یافت جز برپئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے تھے اور یہی حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کا مسلک تھا مگر کسی سلسلے کی وہاں کوئی روایات نہیں نہ رسوم نہ تربیت و تعلیم کے وہ کورانہ تقلید کے انداز تھے۔ روایتی حلقے، توجہ، مراقبے کچھ نہ تھے۔ چاروں سلسلوں کی تعلیم کے مطابق سالک میں جس کی بھی صلاحیت اور استعداد فطری ہوتی تھی اس کو اسی راہ پہ لگا دیتے تھے۔ جب روایات اور رسومات کسی بھی سلسلے کی نہیں تھیں تو پھر حق کیسے ادا ہوا چاروں سلسلوں کا۔ ؟

تمام سلسلوں کے بزرگوں کا یہی نصب العین تھا کہ سالکین اور طالبین حق کی اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کیلئے حسب ضرورت مجاہدے کرائے جائیں تاکہ

ان کے قلوب کی صلاحیتیں درست ہوجائیں اور کیفیت تقویٰ پیدا ہو جو ذریعہ ہے حصول رضائے حق اور تعلق مع اللہ کا اس کے لئے وہ جو تدابیر اختیار فرماتے تھے وہ حدود شرع وسنت کے مطابق ہوتی تھیں کیونکہ تزکیہ نفس وہی ہے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ مامور تھے ویزکی انفسھم اور تزکیہ نفوس کے بارے میں آپ کی شان میں آیات قرآنی شاہد ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامات ومنشاء الہٰی کے مطابق اپنے صحابہ کرام کی تربیت باطن وتزکیہ نفس کی تعلیم فرمائی وہ تعلیم تمام تر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدوّن ومحفوظ ہے۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ہوتا گیا۔ مسلمانوں کے اخلاق باطنہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہوتے گئے اور ان میں بہت سی کوتاہیاں اور گمراہیاں پیدا ہوتی گئیں۔ پھر جو خانقاہیں مسلمانوں کی اصلاح اخلاق کیلئے قائم ہوتی تھیں وہی خود ضلالت وبدعات کا مرکز بن گئیں۔ مگر ہر سلسلے میں کچھ نہ کچھ اہل حق ضرور باقی رہے۔ مگر ایک سلسلہ والے کو دوسرے سلسلہ والے سے کوئی ربط خاص نہ رہا بلکہ ایک دوسرے کی تعلیم وتربیت سے بیگانہ ہی رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں طریقت کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوگئیں اور خانقاہی اسرار ورموز کی بدولت طریقت کو شریعت سے کچھ جداگانہ چیز سمجھنے لگے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے اس عہد حاضر کا مجدد طریقت بنایا تھا۔ اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حقیقت کو سمجھا اور سارا خانقاہی طلسم توڑ دیا اور طریقت کے تمام اسرار کو علی الاعلان ظاہر فرمادیا۔ اور

ساری طریقت کو احکام شریعت ہی کی اتباع میں منحصر ہونا واضح فرما دیا۔ اور چاروں سلسلوں میں جو مغایرت پیدا ہو گئی تھی اور آپس میں رقابت اور غلط احساس فضیلت پیدا ہو گیا تھا۔ اس کو رفع فرما دیا۔ اور سب کا منبع و مرجع شریعت غرّا ہی کے واحد مرکز پر قائم فرما کر حقیقت طریق کو مستند و معتبر بنا دیا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

حضرت (حکیم الامت تھانوی) کا ایک ملفوظ ہے

فرمایا کہ نقشبندیہ، چشتیہ سب نام ہیں اور حقیقت سب کی ایک ہے یعنی اولٰئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۰ نیز بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتیہ ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندیہ ہوتا ہے۔ یہ تقسیم ایسی ہے جیسے وجعلنا کم شعوبًا و قبائل لتعارفوا۔ اسی طرح دوسرے سلسلوں کا بھی معاملہ ہے مگر ان قیود ہی کو لوگ مقصود بالذات سمجھنے لگے۔

جو شیخ چشتی ہو اسے سب مریدوں کو طریق چشت ہی سے تربیت نہ کرنا چاہیئے، اسی طرح جو شیخ نقشبندی ہو اسے سب کو نقشبندیت کے ساتھ تربیت کرنا چاہیئے بلکہ سب مشائخ کو لازم ہے کہ طالب کی استعداد دیکھ کر جو طریقہ اس کے لئے مفید ہو وہ تجویز کرے۔ بس چشتی بھی دونوں طریقوں سے کام لیں اور نقشبندی بھی۔ اسی طرح ہر ایک کے مریدوں میں کوئی چشتی ہونا چاہیے، کوئی نقشبندی اس سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نقشبندی بننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ

میں داخل ہو تو جب ہی نقشبندی ہو بلکہ چشتیت نام ہے تخلیہ کے زیادہ اہتمام کا اور نقشبندیت نام ہے تحلیہ کے زیادہ اہتمام کا۔ پس جو تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے گو کسی خاندان میں داخل ہو۔ اور جو تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے گو سلسلۂ چشتی میں داخل ہو۔ ایک سلسلہ میں داخل ہو کر دوسرے سلسلے کے طریق پر چلنا ممنوع نہیں بلکہ اگر دوسرے سے مناسبت ہو تو شیخ کو ضروری ہے کہ اسی طریق پر چلائے۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ہیں۔ مقصود دونوں کا ایک ہے۔ صرف طریق تربیت میں فرق ہے۔ جو شخص ان کو باہم جدا سمجھے گا اور کسی ایک کی تنقیص کرے گا وہ دروازوں سے محروم رہے گا ان کو دو سمجھنا ایسا ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو سمجھتا ہے۔

(مآثر حکیم الامتؒ ص۱۳۵ تا ص۱۳۶)

حقیقت اجازت بیعت

حضرتؒ فرماتے تھے کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی ایسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ ہو گیا بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مصروف و مشغول

رہے تو توی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور اس استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والے پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے۔ اسی طرح جو کسی کو بیعت کی اجازت دیجاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اسکو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضروریہ حاصل ہوگیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو توی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔ (اشرف السوانح)

(بصائر حکیم الامت ص۴۳)

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستغنی نہیں

ارشاد۔ جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے۔ اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے اور جس شخص کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے۔ اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔ جب میں مشائخ کیلئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنادیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں۔ تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی بہت

زیادہ ضرورت ہے۔

پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اسی پر اکتفا کرے۔ اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو بہت ہی مضر اور سدِّ راہ ہے۔ ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیئے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

(مآثر حکیم الامت ص ۲۵۰)

اکابر کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیئے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ تیز گرمی کے دن بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے جب آپؐ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ امر گراں گذرا پس آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہو جائے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

ف: میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہیئے۔ مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشۂ تغیر حال

میں لگا رہنا چاہیئے۔ اور یہی خیریت ہے قال اللہ تعالیٰ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون ہ ونعم ما قیل ؎

غافل مرو کہ مرکب مرداں زہد را
در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ رند

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

اللھم علی الاستقامۃ مع القبول والکرامہ فی الدنیا و یوم القیامہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ (التکشف ص۳۶۵)

(بصائر حکیم الامت ص۵۳۳)